

## امریکی استعمار اور اسلامی سربراہی کا نفرنس

عبدالغفار عزیز

اسے پروٹوکول کا چھوٹا سا مسئلہ قرار دے کر نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن ممالک کے مابین تعلقات کا درجہ حرارت جانچنے کے لیے پروٹوکول کے واقعات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ۲۰ اپریل کو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں خلیجی ریاستوں کے سربراہوں اور امریکی صدر باراک اوباما کی آمد ہوئی۔ یہ سب رہنماء ۲۱ اپریل کو ایک روزہ امریکی خلیجی گول میز کا نفرنس میں خطے کی صورت حال پر مشورہ کرنے جمع ہو رہے تھے۔ پروٹوکول اور معمول کے مطابق سعودی فرمانروا شاہ سلمان نے تمام خلیجی ذمہ دار ان کا استقبال خود ایئر پورٹ جا کر کیا، جو سرکاری ٹی وی چینل پر براہ راست دکھایا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسی ایئر پورٹ پر امریکی صدر پہنچ، لیکن سب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کا استقبال کرنے کے لیے نشاہ سلمان خود تھے، ان کے ولی عہد اور نائب ولی عہد۔ ان کا استقبال ریاض کے گورنریصل بن بندر اور وزیر خارجہ عادل بن جیبر نے کیا۔ ٹی وی پر کبھی یہ کارروائی نہ دکھائی گئی۔ امریکی صدر نے بھی جہاز سے اترتے ہی اپنے میزبانوں سے پہلے سعودی عرب میں امریکی سفیر سے قدرے طویل معاونت کیا اور پھر میزبانوں سے مختصر مصافحہ کرتے ہوئے، ان کے ہمراہ اپنے ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گئے۔ یہی صدر اوباما چند ماہ قبل ریاض آئے تھے تو خود شاہ سلمان نے ایئر پورٹ پر ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

معاملہ ایئر پورٹ پر استقبال اور قومی ٹی وی پر براہ راست نہ دکھائے جانے ہی کا نہیں، معاملات کئی پہلوؤں سے گھمیز ہو رہے ہیں۔ سعودی عرب آمد سے پہلے اہم امریکی رسائل The Atlantic (اپریل ۲۰۱۶ء) میں اوباما ڈاکٹر ائن کے عنوان سے امریکی صدر کا بہت طویل

انٹرویو شائع ہوا۔ ۱۹ ہزار الفاظ پر مشتمل اس انٹرویو اور تبصرے میں صدر او باما نے واضح الفاظ میں سعودی عرب کو کڑی تقدیم کا نشانہ بتاتے ہوئے کہا: ”افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی مجھے سعودی عرب کے ساتھ اب بھی ایک حليف کی حیثیت سے برداشت کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔“ سعودی عرب اور خلیجی ریاستیں دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ بنے بغیر مفت میں مفاد حاصل کرتے رہنا چاہتی ہیں۔“ یہ سوال بھی اٹھایا کہ کہیں امریکا کے حليف ”ستی عرب“ ممالک امریکا مخالف دہشت گردی کو شہ تو نہیں دے رہے؟ مزید کہا: ”Saudi عرب اور خلیجی ریاستیں خطے میں فرقہ وارانہ اختلافات اُبھار رہی ہیں۔“ ”ہمارا کوئی مفاد اس سے وابستہ نہیں ہے کہ ہم بلا وجہ سعودی عرب کی مدد کرتے رہیں۔“ ”ایران اور سعودی عرب کی مخاصمت نے شام، عراق اور یمن میں پراکسی وارکو ہوادی ہے۔“ ”Saudi عرب خطے کے معاملات میں ایران کو ساتھ لے کر چلے۔“ امریکی صدر کا یہ جملہ دوبارہ پڑھیں تو یوں ہو گا کہ: ”Saudi عرب (ہمیں شیطان بزرگ قرار دینے والے) کو ساتھ لے کر چلے۔“

انھوں نے شام کے بارے میں بھی تفصیلی بات کرتے ہوئے فخر یہ انداز سے کہا کہ: ”بشار الاسد کے خاتمے کے لیے امریکی فوجیں شام نہ بھینجنے کا ہمارا فیصلہ درست تھا۔ خطے کے ممالک کو نماکرات کے ذریعے معاملات حل کرنا چاہیں،“ یعنی بشار کو باقی رکھتے ہوئے کوئی حل نکالا جائے۔ اس انٹرویو کے علاوہ بھی صدر او باما نے سعودی عرب پر کڑی تقدیم کی ہے مثلاً یہ کہ ”Saudi عرب صرف تیل ہی نہیں دہشت گردی بھی برآمد کر رہا ہے۔ انڈونیشیا کے لوگ معتدل سوچ رکھنے والے مسلمان تھے، سعودی عرب نے وہاں بھی انتہا پسندی کو فروغ دیا۔“

اسی دوران میں نائن الیون کی تحقیقات کے لیے قائم کانگریس کمیٹی کی طرف سے سعودی عرب کے خلاف اقدامات کا عندیہ دینا شروع کر دیا گیا۔ امریکی رسائل و جرائد کے مطابق وائٹ ہاؤس میں امریکی قومی سیکورٹی کونسل کے بعض ارکان یہ طمع دیتے سنائی دیتے ہیں کہ: ”نائن الیون کے واقعات میں ملوث ۱۹ افراد میں سے ۵ اشہری سعودی تھے، کوئی بھی اپریانی نہیں تھا،“ کہا جانے لگا کہ ان واقعات میں ملوث سعودی باشندوں نے انفرادی طور پر ہی نہیں، ریاست کے بعض ذمہ داران کے تعاون سے یہ کارروائی کی۔ یہ عندیہ بھی دیا جانے لگا کہ مزید تحقیقات نے

اگر یقینی طور پر یہ بات ثابت کردی تو پھر سعودی عرب کو بحیثیت ریاست اس کا ذمہ دار ٹھیرا جائے گا اور اس سے ۳ ہزار ہلاک شدگان کا تاو ان لیا جائے گا۔ سعودی عرب میں حقوق انسانی، جمہوریت، عدالت اور حقوق نسوان کی لئے بھی بلند کی جانے لگی۔ یہ اکشاف بھی کیا گیا کہ ۱۹۹۵ء میں ریاض میں امریکی کمپاؤنڈ پر حملہ بھی کوئی انفرادی کارروائی نہیں بلکہ اس میں بعض ریاستی ذمہ داران بھی ملوث تھے۔ اس صحافتی و سفارتی یلغار کے جواب میں سعودی وزیر خارجہ اور امریکا میں سعودی عرب کے سابق سفیر عادل جبیر نے پیان دیا ہے کہ: ”اگر ہمیں محسوس ہوا کہ امریکی مالیاتی اداروں میں پڑے ہمارے سرمایہ کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں تو ہم یہ رقم، یعنی (۰۰۷ رابر ڈالر) واپس لے آئیں گے۔“

دوسری طرف ایران نے امریکا ہی نہیں اس پر موثر ہر لامبی کو مزید بہتر تعلقات کے عملی پیغامات دینا شروع کر دیے ہیں۔ ایٹھی معابدے کے بعد امریکا کو ۸ میٹر ٹن بھاری پانی کی فروخت کی خبریں سامنے آچکی ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری کے بقول: ”ایٹھی معابدے کے بعد امریکی بنکوں میں مجتمد ۵۵ رابر ڈالر میں سے ۳ رابر ڈالر سے واپس مل گئے ہیں۔“ حتیٰ کہ خود اسرائیل کے حوالے سے ایرانی لب والہ بہ تبدیل ہونے لگا ہے۔ نیم سرکاری نیوز اجنسی ‘مہر’ کے مطابق صدر روحانی نے ایرانی پیشووا آیت اللہ خامنہ ای کے نام خط میں تجویز دی ہے کہ دور مار ایران میزائلوں پر تحریر مرگ بر اسرائیل، کی عبارت حذف کر دی جائے۔

لیکن ان سابق الذکر چند جملکیوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ امریکا ایران اختلافات و عداوت ختم ہو گئی ہے۔ ایران کے روحانی پیشووا آیت اللہ خامنہ ای کے بقول امریکا سے ہونے والا معابدہ بھی صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔ سی این این ٹیلی ویژن کے مطابق ایرانی اسپکر علی لاریجانی نے کہا ہے کہ: ”اگر امریکا نے ہمارے ساتھ کیے گئے وعدوں پر عمل نہ کیا تو اسے سخت نام ہونا پڑے گا۔“ اسی طرح یہ سمجھنا بھی ٹھیک نہیں ہوگا کہ امریکا اور سعودی عرب کے مابین تاؤ کسی فوری اور وسیع تر تنازع کا پیش خیمه بن جائے گا۔ البتہ یہ حقیقت ضرور واضح ہے کہ ایران، سعودی عرب اختلافات بھی انک تر ہو گئے ہیں اور عالمی طاقتوں ان اختلافات کو اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ امریکا، روس اور اسرائیل اس سارے کھیل میں سے اپنا اپنا حصہ

وصول کر رہے ہیں اور باہم اختلافات کے باوجود یونیوں ملک باہم مشاورت و تعاون کے کئی دائرے رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ میں: ”بَغْنِهِمْ أَوْلِيَاءُ بَغْنِيْ سَبَّاْيِكْ وَسَرَّاْے کے ساتھی ہیں۔“ اسی پس منظر میں ۷، ۸ اپریل کو ترکی کے شہر اتنبول میں ۳۳ اویس اسلامی سربراہی کا نفرنس منعقد ہوئی۔ حاضری کے اعتبار سے یہ ایک کامیاب کا نفرنس تھی۔ ۲۰ سے زائد سربراہان شریک تھے، باقی ممالک کی نمائندگی مختلف افراد نے کی۔ ۷۵ ممالک میں سے صرف شام غیر حاضر تھا۔ بگلہ دیش وزیر اعظم حسینہ واحد کی شرکت کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن عین آخری لمحے انہوں نے سیکورٹی خدشات کا بہانہ بنا کر اپنے وزیر خارجہ کو بھیج دیا۔ شاید یہی ”خطرہ“ ہو کہ کہیں کوئی مسلم رہنماء انجین بگلہ دیش میں جاری وحشیانہ انتقامی کارروائیاں روکنے کا مطالبہ نہ کر دے۔

پولوکول کے واقعات نے یہاں بھی کئی پیغامات دیے، مثلاً کا نفرنس کا آغاز ہی مصری وزیر خارجہ کی کم ظرفی پر بنی ایک حرکت سے ہوا۔ تنظیم کا سابق سربراہ ہونے کے ناتے مصر نے ری طور پر یہ ذمہ داری ترکی کے سپرد کرنا تھی۔ مصری وزیر خارجہ سامح شکری نے جو مصری غاصب حاکم جزل سیسی کی غیر حاضری کے باعث مصر کی نمائندگی کر رہے تھے، افتتاحی سیشن کا آغاز کیا، چند روزی جملہ ادا کیے، جن میں ترکی کے بارے میں کوئی کلمہ خیر تک نہیں کہا اور پھر تنظیم کے نئے سربراہ اور میزبان ملک کے صدر طبیب اردوان کا انتظار کیے بغیر، تمیزی سے سُلُج سے اُتر کر اپنی نشست پر جا دیئے۔ واضح رہے کہ مصر کے منتخب پارلیمنٹ اور منتخب صدر کے خلاف جزل سیسی کے خونی انقلاب کی سب سے پُر زور مخالفت ترکی ہی نے کی تھی۔ صدر اردوان اب بھی جزل سیسی کو ملک کا آئینی سربراہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔ کا نفرنس کے دوران تمام شرکا کے گروپ فولو کا موقع آیا تو شاہ سلیمان اور صدر اردوان شرکا کے عین درمیان میں تھے۔ تصویر بننے کے بعد دونوں سربراہ دیگر مہمانوں کے جلو میں سُلُج سے روانہ ہوئے۔ ایرانی صدر روحانی بھی قطار میں کھڑے تھے۔ شاہ سلیمان ان کے بالکل قریب اور سامنے سے گزر گئے اور سلام دعا تو کجا، ان سے آنکھیں بھی چارنے کیں۔ دونوں ملکوں کے شہریوں نے اس منظر پر اپنے اپنے انداز میں کڑے تھرے کیے۔

دوروزہ کارروائی، تقاریر اور جانی ملقاتوں کے بعد ۳۴ صفحات اور ۲۱۸ نکات پر مشتمل اختتامی اعلامیہ جاری کیا گیا۔ اعلامیہ کئی لحاظ سے بہت بہتر اور جامع ہے۔ مسئلہ فلسطین حسب سابق

سرفہرست ہے، جس میں بیت المقدس کو دارالحکومت بناتے ہوئے فلسطینی ریاست کے قیام اور ۱۹۴۸ء سے ملک بدر کیے گئے فلسطینی مہاجرین کی واپسی کا ذکر نہیں ہے۔ اعلامیہ کی شق ۲۱ سے ۲۶ تک میں مسئلہ کشمیر پر ایسا دوڑک موقف اختیار کیا گیا ہے جو بعض اوقات خود پاکستانی حکومت کے بیانات سے بھی غائب ہو جاتا ہے۔ کشمیر کو پاکستان و ہندستان کے مابین بینادی تنازع قرار دیتے ہوئے، اسے اقوام متحده کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی مرنسی کی روشنی میں حل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے کیوں کہ اعلامیہ کے الفاظ میں ”اس کے بغیر جنوبی ایشیا میں قیام امن ممکن نہیں“۔ عالمی برادری کو یاد دلایا گیا ہے کہ ”کشمیر کے سلسلے میں اقوام متحده کی قراردادیں ۲۸ برس سے عمل درآمد کی منتظر ہیں“۔ ”حق خود ارادت کے لیے کشمیری عوام کی وسیع تر جدوجہد کی حمایت کرتے ہوئے دنیا سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ”جدوجہد آزادی اور دہشت گردی کو یکساں قرار نہ دے“۔ کشمیر میں ہندوستانی افواج کے مظالم اور حقوق انسانی کی کھلی خلاف ورزی کی نہمت کی گئی ہے کہ جس کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ شہری شہید اور لاکھوں زخمی ہو چکے ہیں جن میں بچے، بوڑھے اور خواتین بھی شامل ہیں۔ ۲۰۱۶ء کو پلوامہ میں ۲۲ سالہ کشمیری خاتون شاہستہ حمید کی شہادت کا ذکر مثال کے طور پر کیا گیا ہے۔ آخر میں اسلامی تعاون تنظیم (جس کا نام پہلے اسلامی کانفرنس تنظیم ہوتا تھا) کے زیر اہتمام ایک دائیٰ اور آزاد ادارے کے قیام کا خیر مقدم کیا گیا ہے، جس کی ذمہ داری ”ہندستان کے زیر سلط جوں کشمیر میں ہونے والے حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کا جائزہ لینا ہوگا“۔

حقوق انسانی کی عالمی تنظیموں سے بھی ”مقبوضہ کشمیر، آنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اداً آئی سی کے ادارے ایسیسکو کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ کشمیر میں مسلمانوں کے مقدس مقامات کی دیکھ بھال اور نگرانی کرے۔ ساتھ ہی مسلم ممالک سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ کشمیری طلبہ کے لیے خصوصی تعلیمی و طائف کا اہتمام کریں۔ عالم اسلام کے سب سے اہم عالمی پلیٹ فارم سے کشمیر کے پارے میں اس قدر جامع اور مضبوط موقف کا اعلان کیے جانے میں بنیادی کردار یقیناً پاکستانی وزارت خارجہ کا ہو گا۔ اس کے اعتراض کے ساتھ ان تمام مسلم ممالک کے کردار کی تحسین بھی کرنا ہوگی کہ جن کے واضح تعاون کے بغیر یہ کامیابی ممکن نہ تھی۔ البتہ اب اصل ضرورت عالم اسلام کے اس متفق علیہ

موقف کو دنیا کے ہر شہری کے سامنے تسلسل اور مقبوضہ کشمیر سے حاصل کردہ سمیٰ و بصری شواہد کے ساتھ پیش کرتے رہنے کی ہے۔

اعلامیے میں افغانستان میں مصالحتی کاوشوں کا بھی خیر مقدم کیا گیا۔ ”قلب ایشیا“ کانفرنس کی بھی حمایت و تائید کی گئی ہے اور جنوری ۲۰۱۶ء میں تشکیل پانے والی چار ملکی (افغانستان، چین، پاکستان، امریکا) کوارڈی نیشن کمپنی کی بھی حمایت کی گئی ہے۔

اعلامیے کا سب سے نازک حصہ وہ درجن بھر شقیں ہیں، جن میں کہیں براہ راست اور واضح انداز سے اور کہیں بالواسطہ طور پر ایران کو شدید تقدیم کا نشانہ بناتے ہوئے اسے دہشت گردی کی مدد کرنے سے روک جانے کا کہا گیا ہے۔ ان شقوں کا آغاز ”مسلم ممالک اور اسلامی جمہوریہ ایران“ کے مابین اچھے تعلقات کی ضرورت اور اہمیت“ سے کیا گیا ہے (شق ۳۰)۔ لیکن ساتھ ہی دیگر ممالک کی آزادی، خود مختاری اور وحدت کے احترام کی یادو ہانی بھی کراں گئی ہے۔ تہران اور مشہد میں سعودی سفارت خانے اور قونصل خانے پر حملوں کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ بحرین، یمن، شام اور صومالیہ میں ایران کی مداخلت اور وہاں دہشت گردی کی پشتیبانی جاری رکھنے کی بھی مذمت کی گئی ہے (شق ۳۳)۔ فرقہ واریت اور مذہبی تقصبات کو ہوادینے سے خبردار کیا گیا ہے۔ دہشت گردی کے بارے میں اعلامیے کی کئی شقیں ہیں جن میں داعش کی دوڑک مذمت کرتے اور اسے دہشت گرد قرار دیتے ہوئے اس کا قلع قلع کرنے کا ذکر ہے۔ اور پھر شق ۵۰-۵۱ میں ”شام، بحرین، کویت اور یمن میں حزب اللہ کی دہشت گردی“ کی مذمت کرتے ہوئے اسے ”خطے میں عدم استحکام کے لیے دیگر دہشت گرد تنظیموں کی معاونت کا اصل ذمہ دار“ قرار دیا گیا ہے۔

عالم اسلام اور اسلامی سی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایران کے خلاف اس طرح کھل کر اور شدید تقدیم کی گئی ہو۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ کانفرنس میں شریک ۵۶ ممالک میں سے صرف ایک ایران ہی تھا جس نے اس اعلامیے پر احتجاج کرتے ہوئے اس سیمین کا بایکاٹ کیا۔ سابق الذکر چند شقیں تو وہ ہیں جن میں ایران پر براہ راست اذرام اور اس کی مذمت ہے، وگرنہ شام اور صومالیہ سعیت کی مسائل پر بات کرتے ہوئے بھی روئے تھن اسی کی طرف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اعلامیے کے بعض الفاظ ضرورت سے زیادہ سخت ہوں، لیکن براہ اسلامی ملک ایران کو یہ ضرور سوچنا

اور اس امر کا بنی برحقیقت جائزہ لینا ہوگا کہ آخر پوری مسلم دنیا اس کے خلاف یہ آواز کیوں ہو گئی۔

اعلامیے میں روشنگی اراکان، فلپائن، بوسنیا، کوسو، اریٹیریا سمیت امت مسلمہ کے تقریباً ہر منسلک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جاری مہم اور اسلام فویا کا بھی سخت الفاظ میں نوٹس لیا گیا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے کئی مسلم ممالک میں ہونے والے قتل عام اور توہین انسانیت کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ مصر میں ۳۸ ہزار سے زائد بے گناہ قیدیوں اور ہزاروں بے گناہ شہدا کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ بغلہ دلیش میں ۸۸ ہزار سے زائد بے گناہوں کو پس دیوار زندان حکیل دینے، ۳۰۰ سے زائد شہریوں کو مادرے عدالت قتل کر دینے اور بے گناہ سیاسی مخالفین کو بچانسیاں دینے پر ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ گذشتہ ۱۰ ابریس سے جاری حصار غزہ کا ذکر بھی گول کر دیا گیا۔ پاکستان کے صوبہ بلوچستان سمیت کئی مسلم ممالک کو جنگلے جنگلے کرنے کے لیے فعال عالمی خفیہ ایجنسیوں کا کروارے نقاب کرتے ہوئے ان کا سد باب کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی بھی ظلم پر آنکھیں نہ موند لی جائیں اور مکمل انصاف اور غیر جانب داری سے کام لیتے ہوئے اپنی اپنی غلطیوں کا اعتراض کیا جائے۔ ۷ اپریل کو اپنی تاریخ میں پہلی بار صہیونی حکومت نے اپنا ہفتہ وار کابینہ اجلاس شام کے مقبوضہ علاقے ’جولان‘ میں کیا۔ اس اجلاس کے ذریعے اس نے اعلان کیا کہ اب دنیا کو جولان پر بھی اس کا قبضہ تسلیم کر لینا چاہیے۔ صہیونی ریاست کو یہ جسارت اسی لیے ہو رہی ہے کہ مسلم ممالک کی اکثریت باہم سر پھٹوں اور مار دھاڑ کا شکار ہے۔ ہر کوئی اپنے ناظموں کا دفاع کرنے اور ان کے گناہ اپنے سر لینے میں لگا ہوا ہے۔ یہی عالم رہا تو خاکم بدہن زیادہ درینہیں لگے گی کہ آج عافیت سے بیٹھے حکمران دعوام بھی دشمن کے بچھائے جال میں جکڑے جا پکے ہوں گے۔

اپنے اللہ پر کا کامل بھروسار کھنے والے مظلوموں کو البتہ یہ یقین ہے کہ تاریکی کے بعد سحرنو کو بھر صورت طلوع ہوتا ہے۔ اسی یقین کا انہیار کرتے ہوئے گذشتہ دنوں عدالت میں لائے جانے والے الاخوان المسلمون کے مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع نے تھکڑیوں میں جکڑے ہاتھ بلند کرتے ہوئے دلوک الفاظ میں کہا: موسد، ماجع (منتخب صدر) مری وابس آ کر رہیں گے!